بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الانسان

تحریر: محمّد نامدار خان بوزئی

۱۰ رمئی، ۲۰۰۸ م

جاننا چاہیے کہ مومنین کسی **مھدی من اللہ** کو نہ تو **Elect** کر سکتے ہیں، نہ **Select** اور نہ ہی **Nominate** کر سکتے ہیں۔ حتّیٰ کہ ''اجماع مومنین'' کا بھی اس معاملے میں کوئی عمل دخل نہیں۔ اسی طرح مومنین کسی **مھدی من اللہ** کو نہ تو مفاہیمِ کتبِ الٰہیہ و اسرار و رموزِ ربانی سے آگاہ کر سکتے ہیں، نہ کسی علوم مغیبہ میں اسے **Educate** کر سکتے ہیں اور نہ ہی اُس کے فرائضِ جلیلہ کا تعین کر سکتے ہیں۔ البتہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ ﷺ ضرور اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ دیگر ہادیانِ برحق کی طرح بعثتِ مہدی علیہ السلام سے متعلق تمام اوامر، صرف اور صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کے ارادے اور حکمت عملی سے تعلق رکھتے ہیں جس کا پہلا مرحلہ اللہ تعالیٰ نے سورہ القصص میں بیان فرما دیا:

> وَرَبُّکَ یَخۡلُقُ مَا یَشَاءُ وَ یَخۡتَارُ مَا کَانَ لَھُمُ الۡخِیَرَ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ وَتَعٰلیٰ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ (**اور تیرا رب پیدا کرتا ھے جسے چاھتا ھے اور چن لیتا ھے اس کو** [خاص مقصد کے لیے] ۔ **ان لوگوں کو کوئی اختیار نھیں ھے** [اس سلسلے میں]۔ پاک ہے اللہ ان تمام چیزوں سے جس کے ساتھ وہ اس کے شریک بنتے ہیں) [سورہ القصص؛ آیت: ۶۸]

قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ آیتِ کریمہ کے الفاظ نہ صرف **jurisprudance** اور چناؤ کے حق کا تعین کرتے ہیں بلکہ اللہ کی اس **چنندہ شخصیت** کو **مجتبیٰ** تسلیم کرنے کا ہم سب کو مکلّف و پابند کر دیتے ہیں۔

سورہ السجدہ کی آیت: ۵؛ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے:

يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الۡاَرۡضِ (آسمان سے زمین کی طرف **تدبیر امر** کریگا) کے منصوبے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی آیت میں واقعات کا تسلسل جاری رکھتے ہوئے فرمانِ ربّانی ہوتا ہے:

ثُمَّ يَعۡرُجُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗۤ اَلۡفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ (**اس کے بعد وہ اس** [زمین] **کی طرف رجوع** [توجہ] **کریگا ایک دن، جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے اُس حساب سے جو تم شمار کرتے ہو**)[السجدہ:۵]

مندرجہ بالا آیت، اللہ سبحانہ کی طرف سے اپنے پروگرام کی اطلاع بھی ہے اور ایک وعدہ بھی! اس اطلاع اور وعدہ سے استفادے کے کسی مرحلہ پر بھی اس دنیا کی معلوم و معروف عمر کے پیش نظر ''ایک ہزار سالوں'' سے مراد ''دسویں صدی'' تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی مانع نظر نہیں آتا ہے۔ مگر اس صورتحال کو تسلیم کر لینے کے بعد دو اہم سوالات پیدا ہو جاتے ہیں:

(الف) کیا نزولِ قرآن کی ابتداء کے بعد کی دسویں صدی میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق ''**تد بیرا مر**'' کی غرض سے اس کرہ ارض کی طرف مراجعت کی تھی؟

(ب) کیا اُس نے اپنی مخلوق کو اپنے الطافات واکرامت یا کسی رحمت سے نوازہ تھا اور اگر ایسا ہوا تھا تو یہ **رحمت یا الطافات و اکرامات** کس شکل میں ظہور پذیر ہوئے تھے؟

مذکورہ بالا سوالات، بہت ہی اہم سوالات ہیں جس کی طرف موجودہ دور کے علمائے اسلام نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اور جنہوں نے توجہ دی ان لوگوں پر یا تو بد دیانتی غالب آ گئی ہوگی یا کم علمی وکوتاہ بصیرت! حالانکہ سورہ السجدہ کی محولہ آیت میں مذکور ''یــوم'' اُس ''یــوم'' سے بہت مختلف ہے جس کا تذکرہ سورہ المعارج کی آیت: ۴ میں کیا گیا۔ جس میں کہ اس یوم کی میعاد ہماری گنتی کے اعتبار سے پچاس ہزار برس بتائی گئی ہے اور جس کا تعلق فرشتوں اور ''الرّوح'' سے بتایا گیا ہے۔

آیت ملاحظہ فرمائیں:

تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ (جس کی طرف فرشتے اور الرّوح رجوع کرتے ہیں ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔) [المعارج:۴]

پس اس آیت کی موجودگی میں کسی قسم کے ابہام یا **confusion** کا سوال پیدا نہیں ہوتا!

جہاں تک ''تدبیرامر'' کی غرض سے اس کرہ ارض کی طرف اللہ تعالیٰ کی ''مراجعت'' کا تعلق ہے، یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اگر اس کا تعلق بندوں کی ''ہدایت، انذار و بشارات'' کی **تعلیم** سے ہوتو جان لیں کہ یہ ''تدبیرامر'' کسی مہدی من اللہ کی بعثت کی شکل میں مَن حیثِ ''حکم'' ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جس کے بعد لازم ہوجاتا ہے کہ سارے عالم کی ''مخلوقِ ناطق'' اس شخصیت کو ''**مفترض الاطاعت**'' تسلیم کرے اور بہ حیثیت ماموراً من اللہ، اس کی ''تصدیق'' کرے! اس مبعوث کردہ شخص کی مدد و تائید کے لیے اللہ تعالیٰ ''روح مّنہ'' کو ملائیکہ کے ساتھ بھیجتا ہے۔ اس اہتمام کا مختصر تعارف یہ ہے کہ ہدایت، انذار و بشارات کے مبلغ اور اس کے اصحاب کی پوشیدہ طور پر قلبی مدد و تائید، عملِ صالح اور استقامت فی الدین کی ترغیب و ہمت افزائی کے علاوہ داعی الی اللہ کی معصومیت کا تحفظ کیا جاتا ہے! چنانچہ اس ''مجتبیٰ'' کے ذریعہ سے پھیلنے والی رشد و ہدایت کی روشنی مخلوق کے لیے ''رحمت'' و ''الطافات واکراماتِ الٰہیہ'' تسلیم ہوتی ہے!

ان اہم اوامر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم دوبارہ سے سورہ السجدہ کی آیتِ کریمہ میں مذکورہ ''یَـوۡمَ'' کی طرف آتے ہیں اور اس 'یَـوۡمَ' کے دورانیہ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ پچھلے صفحات پر بیان کیئے گئے سوالات کا جواب تلاش کریں۔

عالم اسلام واقف ہے کہ دسویں صدی ہجری یعنی اس مخصوص ''**یوم**'' کا سب سے اہم واقعہ حضرت سیّد محمد بن عبداللہ بن سید عثمان شیرازی کا سنہ ۹۰۱ھ میں، خانہ کعبہ میں مقامِ ابراہیمؑ و رکن کے درمیان [باذن اللہ] دعوے مہدیت تھا! سنہ ۹۰۱ ہجری دراصل حضور اکرم ﷺ کے دعوے نبوت کے

سال کے اعتبار سے نو سو چودہواں (۹۱۴) سال اور نبی کریم ﷺ کے سنہ پیدائش کے اعتبار سے (۹۵۴) نوسو چوونواں سال قرار پاتا ہے، یعنی خانہ کعبہ میں کیا ہوا دعویٰ مہدیت، نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے سال کے اعتبار سے دسویں صدی کے آخری نصف میں متعین ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ (اس کے بعد وہ اس [زمین] کی طرف رجوع کریگا [یعنی متوجہ ہوگا اس زمین کی طرف]) کے منصوبے پر عمل کا آغاز اللہ سبحان وتعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق دسویں صدی ہجری میں شروع کر دیا تھا۔ جو کہ اس زمین کی طرف اللہ سبحان وتعالیٰ کی توجہ کا ایک واضح ثبوت ہے! اس طرح مذکورہ حقائق ہمیں ہمارے پہلے سوال کا جواب مہیا کر دیتے ہیں۔

ایک اور امر جو ہم پر سورۃ الشوریٰ کی آیت: ۴۹ کے ذریعے واضح کیا گیا، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تین طریقوں سے انسان سے مخاطب ہوتا ہے۔ پردے کے پیچھے سے یا کسی فرستادہ فرشتہ کے واسطہ سے یا راست وحی کے ذریعہ سے۔ چنانچہ دسویں صدی میں بھیجے جانے والے ''**مجتبیٰ**'' سے کیے جانے والا تکلّم، راست و''**بلاواسطہ**'' کیا گیا تھا۔ سورہ الرحمٰن کی ابتدائی آیات میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خلق الانسان [ایک معروف انسان کو پیدا کیا] کی حقیقت بیان کرنیکے بعد علّمہ البیان [اس نے تعلیم دی اس کو البیان کی] کے عمل کا تذکرہ آیا جو کہ الرَّحمنٰ کی طرف سے اُس **مخصوص و معروف انسان** کی تخلیق اور **قرآن کے بیان کی بلا واسطہ تعلیم** کی طرف واضح اشارہ ہے۔ چنانچہ سورہ الشوریٰ کی محولہ آیت میں مذکور طریقہ کار کے تحت مومنین اس مخصوص انسان کو **متعلم باللہ** اور **مبیّنِ قرآن** تسلیم کرنے کے مکلّف قرار پاتے ہیں۔

قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ سورہ الرحمٰن کی مذکورہ بالا آیات میں ہر دو جگہ یعنی الانسان اور البیان میں؛ الف، لام معروفہ ہے جو الفاظ کو **proper noun** [اسم معروفہ] بنا دیتا ہے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اس بارے میں دورِ حاضر کے اکثر مفسرین سے تسامع ہوا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انہوں نے آیتِ کریمہ ثمّہ انّا علینا بیانہ کے صحیح مفہوم، سیّاق وسبّاق اور متعلقہ احادیث سے صرفِ نظر کیا اور الف، لام کے سبب لفظ الانسان کو استغراقی معنوں کا جامہ پہنا دیا!

راقم الحروف کے خیال میں سورہ الرّحمٰن کی مذکورہ دو آیات کی تسلّی بخش وضاحت وتشریح کے لیے اس سورہ کی ابتدائی چار آیات کا صحیح ترجمہ وتاویل نہایت ضروری ہے؛ فرمانِ ربّانی ہے:

اَلرَّحمٰنُ (الرّحمٰن [نے]) **عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ** (قرآن کی تعلیم دی)
خَلَقَ الْاِنْسَانَ (اُس نے پیدا کیا ایک [معروف] انسان کو)
عَلَّمَہُ الْبَیَانَ (اس نے اس [انسان] کو [اس کے مخصوص] بیان کی تعلیم دی۔ [اس توضیح کا ماخذ میاں عبدالغفور سجاوندیؒ کا رسالہ ''مژدہ آیات'' ہے]

اس طرح **ثُمَّ اِنَّا عَلَیْنَا بَیَانَہُ** (بیشک دوبارہ سے اس [قرآن] کا بیان ہماری ذمہ داری ہے) کے وعدے کے پس منظر میں یہاں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ درجِ بالا پہلی دو آیات ایک خاص دور کے واقعات سے تعلق رکھتی ہیں اور اُس تاریخی دور کے اتمام وتکمیل کا اظہار بھی کرتی ہیں جبکہ بعد کی دو [آیات: ۳ اور ۴] ایک اور زمانے سے تعلق رکھتی ہیں جس میں مزید ایک اور امرِ الٰہی کی تکمیل ہوتی ہے! بالفاظِ دیگر ''زمانہ'' کے لحاظ سے پہلا دور، وہ دور تھا جب اللہ سبحان وتعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ پر قرآنِ مجید نازل کیا اور ان کو قرآن کی تعلیم سے نوازہ۔

جب وہ دور ختم ہوا یعنی جب تاریخ کا ایک اہم باب تکمیل کو پہنچ گیا تو ایک طویل عرصے کے بعد دوسرے دور کی ابتداء ہوئی۔ (کیونکہ لفظِ ثُمَّ ہ تاخیر کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے) اس دوسرے دور میں [اللہ سبحان وتعالیٰ نے] ایک معروف ومخصوص انسان پیدا کیا جسے قرآن کے خاص بیان کی تعلیم دی گئی تاکہ **ثُمَّ اِنَّا عَلَیْنَا بَیَانَہُ** کے وعدے اور امرِ الٰہیہ کی تکمیل ہو جائے!

یہ ''تعلیم'' کیا جانے والا بیان جو کہ اللہ تعالیٰ کی عین مراد ومنشاء تھا؛ اس معروف ومخصوص انسان کے ذریعہ سے امت محمدیہ تک دوبارہ سے پہنچایا گیا جو کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے ''رحمتِ واکرام والطافات'' کا عمل تھا تاکہ عذاب سے قبل اللہ کے عدل کے تقاضوں کے تحت ''**قیامِ الساعة**'' کی ایک اور شرط پوری ہو جائے! ہماری یہ تشریح دوسرے سوال کا جواب مہیا کر دیتی ہے!

یہاں مزید سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ آیتِ کریمہ میں مذکور ''انسان'' ایک **معروف و خاص** انسان کس بنیاد پر تسلیم کیا جائیگا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا یہ تشخص و تعارف تعریضی انداز میں نصوصِ قرآنی واحادیثِ نبویہ ﷺ سے ثابت ہے! ذیل میں ہم صرف چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

[۱] آیت: ۱۷، سورہ ہود میں تعریضی انداز میں بتایا گیا کہ وہ شخص علیٰ بیّنہ من رّبہٖ یعنی اپنے رب کیطرف سے واضح دلیل پر ہوگا۔

[۲] اُسی شخصیت کو آیت: ۱۹، سورہ انعام میں منؐ بلغ کی تاویل کے تحت ''نذیرِ ثانی'' متعارف کروایا گیا ہے!

[۳] آیت: ۱۰۸، سور یوسف میں اُس ذاتِ مقدس کو ''من اتبعنی'' کے تعریضی الفاظ میں تابع تام رسول اللہ ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کی طرح ''داعی الاللہ علیٰ بصیرۃ'' [بصیرۃ کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والا] متعارف کروایا گیا۔

اب ہم اسی سلسلہ کی چند ایک احادیثِ نبویہ ﷺ پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں!

[۱] **لا تنقضی الد نیا حتی یبعث اللہ رجلاً من امّتی یواطیء اسمہ اسمی** (دنیا ختم نہیں ہوسکتی یہاں تک کہ بعثت کردے اللہ ایک مردِ کی میری امت سے جس کا نام میرا نام ہوگا) [صفحہ: ۲۴۵؛ جلدِ اوّل کتاب: المھد ی المنتظر، ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی۔ واضح رہیکہ کتاب عربی میں ہے اور اس حدیث کا مترجم راقم الحروف ہے]

[۲] **کیف تھلک امتی انافی اوّلھا عیسیٰ ابنِ مریم فی آخرھاو المھدی من عترتی فی وسطھا** (میری امت کیونکر ہلاک ہوسکتی ہے؟ میں پہلے ہوں اس [امت] کے، عیسیٰ ابنِ مریم آخر میں ہیں اس کے اور المھد ی میری عترت سے درمیان میں ہیں اسی [امت] کے) [بحوالہ: المشکوٰۃ، سنن ابی داوٗد]

ڈاکٹر عبدالعلیم البستوی ہی کی کتاب: المھد ی المنتظر [عربی] (جلداوّل، صفحہ: ۳۴۵، حدیث: ۴۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتی ہے:

[۳]لو لم یبق من الدنیا الّا یوم لطول اللہ ذٰلک حتی یلی رجل من آل محمّد ﷺ (اگرچہ کہ دنیا کے خاتمہ کے لیے ایک دن ہی باقی رہ جائے۔ اس [دن] کو طویل کردیگا اللہ؛ حتیٰ کہ والی ہوجائے گا [ولایتِ محمّدیہ کا] ایک مردآلِ محمّد ﷺ سے ۔ [اس حدیث کا اردو ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے]

(یہاں اس ضمنی بات کی وضاحت ضروری محسوس ہورہی ہے کہ اس حدیث کی غلط تاویل کی بنیاد پر "المہدی" کاوالیِ عرب ہوجانا؛اس کی شناخت و سچائی کی بنیاد مشتہر کیا جاتارہا ہے۔کیااب مسلمانوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اللہ جلّ شانہُ نے تو "دینِ اسلام" کی نبوت و رسالت کو نبی مقدس ﷺ کی ولایت گردانا ہے؟خود نبی کریم ﷺ نے کبھی اپنے آپ کو عرب کی ولایت کا والی نہیں متعارف کروایااور نہ ہی بحیثیت والیِ عرب،والیان عجم کو دعوۃ کے خطوط لکھے تھے!)

پس ثابت ہوا کہ سورہ الرّحمٰن میں مذکور "**الانسا ن**" سے مراد ایک معروف ومخصوص انسان ہے جسے "انسانِ کامل (مثنّیٰ)" ہونے کا شرف بھی حاصل ہے کیونکہ وہ تابع تام محمّد مصطفیٰ ﷺ و نیکے علاوہ نبی کریم ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث کے تحت "**ولایتِ محمدیہ**" کا والی ہے!

(والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃالسلام علی جمیع انبیا ء ومرسلین)